حمد

''حمد'' از روئے لغت ''تعریف، خدا کی تعریف'' ہے۔ شعری اصطلاح میں ایسے اشعار کو ''حمد'' کہا جاتا ہے جو بہ لحاظِ موضوع اللہ کی تعریف میں رقم کیے جائیں۔ حمد و مناجات کے الفاظ عموماً ایک ساتھ استعمال کیے جاتے ہیں لیکن مناجات میں شاعر خدا کی بارگاہ میں خدا کا ذکر کرتا یا دعا مانگتا ہے اور اس سے فریادی ہوتا ہے۔ حمد دراصل اللہ کی طرف رجوع کرنے اور رجوع ہونے کا دوسرا نام ہے اور اپنے مالک حقیقی کی یاد، اس کے ذکر، اس کی توصیف و ثنا اور اس سے طلب کا بہترین ذریعہ ہے۔

حمد یہ شاعری یا حمد نگاری مضمون و بیان یا اظہار مدعا کے لحاظ سے براہِ راست خدا اور بندے کا معاملہ ہے۔ اس طرح حمد کہنا ایک طرف آسان بھی ہے اور دوسری طرف یوں دشوار بھی کہ ایک عام انسان کے لیے ذات باری تعالیٰ کی پہنائیوں میں گم ہونا اس کی طاقت سے باہر ہے اور اسے وہ الفاظ و بیان میسر نہیں جن سے وہ اس کی حمد لکھ سکے۔ اس سے یہ ہرگز نہیں سمجھنا چاہیے کہ شاعری کی دنیا میں ''حمد، مناجات'' کی کمی ہے۔

حمد یہ شاعری میں سب سے اہم چیز وہ ہوتی ہے جسے بیان توحید کہا جاتا ہے اور اصل میں یہی وہ چیز ہے جو ''حمد'' کو اسلامیات سے جوڑتی ہے۔ توحید، درحقیقت خدائے بزرگ و برتر کی یکتائی و بے ہمتائی پر ایمانِ کامل کا نام ہے۔

حمد الگ سے نظم کی صورت میں بھی ہو سکتی ہے اور کسی اور صنف مثلاً قصیدے یا مثنوی کا ایک جزو بھی۔ البتہ یہ ضروری ہے کہ کسی صنف کا حصہ ہونے کی صورت میں حمد کے اشعار سب سے پہلے لکھے جاتے ہیں۔ ''حمد'' بیشک ایک صنف شاعری ہے اور اس کی بنیاد، موضوع یعنی ''ستائش الٰہی'' پر ہے۔

حمد یہ کلام کی تاریخ اتنی ہی قدیم ہے جتنی کہ خود کسی زبان و ادب میں، ادب و شاعری کی تاریخ، کیوں کہ مشکل ہی سے کوئی ایسا فارسی شاعر ہوگا جس نے اپنا دیوان یا اپنی کلیات حمد سے شروع نہ کیا ہو۔ مثنویاں تو عام طور پر حمد سے شروع ہوتی ہیں، رباعیات و قطعات میں بھی حمد کا مضمون باندھنے کی عام روایت رہی ہے۔ فارسی میں چونکہ عارفانہ و صوفیانہ اور حکیمانہ شاعری کی مستحکم و مسلسل روایت موجود ہے، اس لحاظ سے بھی یہاں حمد کہنے والوں کی کمی نہیں۔

حمد

شیخ سعدیؔ شیرازی

سپاس و حمدِ بی پایان خدا را — کہ صُنعش در وجود آورد ما را
الٰہا، قادرا، پروردگارا — کریما، مُنعما، آمرزگارا
چہ باشد پادشاہِ پادشاہان — اگر رحمت کنی مسکین گدا را
خداوندا، تو ایمان و شہادت — عطا کردی بہ فضلِ خویش ما را
وز انعامت ہمیدون چشم داریم — کہ دیگر باز نستانی عطا را
ز احسانِ خداوندی عجب نیست — اگر خط در کشی جُرم و خطا را
خداوندا، بدان تشریف و عزّت — کہ دادی انبیا و اولیا را
بدان مردانِ میدانِ عبادت — کہ بشکستند شیطان و ہَوا را
بحقِ پارسایان کز درِ خویش — نیندازی منِ نا پارسا را
مسلمانان ز صدق آمین بگویید — کہ آمین تقویت بخشد دعا را
خدایا، ہیچ درمانی و دفعی — ندانستیم شیطان و قضا را
چو از بی دولتی دُور اوفتادیم — بنزدیکانِ حضرت بخش ما را
خدایا گر تو سعدیؔ را برانی — شفیع آرد روانِ مصطفیٰ را
محمد سیّدِ ساداتِ عالم
چراغ و چشمِ جُملہ انبیا را

الفاظ و معانی

سپاس	شکر، تعریف، نعمت کے مقابلے میں تعریف، احسان مندی کا اظہار
حمدِ بی پایاں	تمام تعریف
صنع	قدرت، صناعی
در وجود آوردن	پیدا کرنا (مترادف: آفریدن)
الٰہ	خدا، معبود، اللہ تعالیٰ (الٰہا: اے خدا آخر میں "الف" ندا کے لیے ہے)
مُنعِم	نعمت دینے والا
آمرزگار	بخشش کرنے والا، بخشنے والا (مترادف: بخشندہ)
چہ باشد	کیا ہی اچھا ہو
رحمت کردن	مہربانی کرنا
مشتی گدا	مراد ہے: معمولی فقیر، فقیر بے نوا (مشت: مٹھی، مشتی: مٹھی بھر چیز، تھوڑی چیز)
ہمیدون	اسی طرح، اب، آئندہ بھی
چشم داشتن	امید رکھنا، بھروسہ رکھنا، آس لگانا
بازستاندن	واپس لے لینا، چھین لینا
عجب	دور، بعید
خط درکشیدن	مٹا دینا، محو کر دینا
تشریف	شرف، بزرگی
بدان تشریف	اُس بزرگی کے طفیل میں ("ب" بمعنی صدقہ، طفیل، بدلہ)
اولیا	(واحد: ولی) خدا کے دوست، درگاہ خداوندی کے مقرب بندے، اصحابِ ولایت
مردان میدان عبادت	عبادت گزار بندے، عابدان
ہَوا	نفسانیت، خواہش، لالچ
حق	واسطہ، سچ

بحق پارسایان	–	پاک دامن لوگوں کا واسطہ
از در انداختن	–	دروازے سے بھگا دینا، راند دینا
من ناپارسا	–	مجھ گنہ گار کو
آمین	–	ایسا ہی کر، قبول فرما، اے خدا ایسا ہی ہو (دعائیہ کلمہ)
آمین گفتن	–	آمین کہنا، دعا کے قبول ہونے کی دعا کرنا
تقویت دادن	–	قوت دینا، طاقت پہنچانا
بی دولتی	–	بدنصیبی، نالائقی
بہ نزدیکان حضرت	–	درگاہِ خداوندی کے مقرب و مقبول بندوں کے طفیل میں
شفیع	–	سفارش کرنے والا (مراد ہے: شفیع محشر یعنی رسول پاکؐ)
شفیع آوردن	–	شفیع بنانا
روان	–	روح
سیّدِ سادات	–	تمام سرداروں کے سردار
چراغ و چشم	–	بہت ہی عزیز
جُملہ	–	تمام، کُل

غور کرنے کی باتیں:

☆ حمد میں سب سے اہم چیز توحید الٰہی کا بیان ہے۔ مگر ذات خداوندی کے بیان کو محسوسات کے دائرے میں لانا سخت مشکل ہوتا ہے، اس لیے اکثر حمد کہنے والے اسمائے صفات سے کام لیتے ہیں اور خدا کی نعمتوں کا ذکر کرتے ہیں۔ یہاں سعدی نے بھی اسمائے الٰہی سے کام لیا ہے اور نعمتوں کا ذکر کیا ہے۔

☆ مذہبی شاعری خصوصاً حمدیہ شاعری، عقیدے کا اظہار کرتی ہے۔ یہاں خدائے واحد پر ایمان، آخرت پر یقین اور رسول کی شفاعت کا عقیدہ ملتا ہے۔

☆ شعر میں اگر صفتوں کا لگا تار ذکر ہو تو اسے ''تنسیق صفات'' کہتے ہیں اور لگا تار اضافت ہو تو اسے ''توامی اضافات''، اس کی مثالیں یہاں موجود ہیں۔

معروضی سوالات:

۱- آمین کہنے سے دعا پر کیا اثر پڑتا ہے؟
۲- دعا پر آمین کہنے کے لیے کیا بات ضروری ہے؟
۳- حمد اور مناجات کا فرق بتائیے۔
۴- دعا کو تقویت ملنے کا مفہوم کیا ہے؟

تفصیلی سوالات:

۱- داخل نصاب حمد کا خلاصہ اپنی زبان میں لکھیے۔
۲- بتائیے اس شعر میں کس صنعت کا استعمال ہوا ہے:

کریما، منعما، آمرزگارا . الہا، قادرا، پروردگارا

۳- یہاں شاعر نے خدا کی کون کون سی نعمتوں کا ذکر کیا ہے؟
۴- اس حمد میں سعدیؔ نے خدا سے کیا کیا مانگا ہے؟
۵- دعا پر آمین کہنے کا فائدہ کیا ہے؟ ہمیں کس طرح آمین کہنا چاہیے؟
۶- شاعر نے اجتماعی دعا کا کون سا فائدہ بتایا ہے؟

عملی کام:

۱- حمد کے پسندیدہ اشعار یاد کیجیے۔
۲- حمد کو ترنم سے پڑھنے کی مشق کیجیے۔

غزل

فارسی اصنافِ شاعری کی دوقسمیں ہیں۔ ایک پہلوی سے آئی ہے اور دوسری قسم عربی سے۔ عربی شاعری کی مشہور صنف، قصیدہ جب ایران پہنچی تو اس کے تمہیدی حصہ یعنی ''تشبیب'' سے دوصنف قطعہ اور غزل وجود میں آئی۔ یہ دونوں ہی صنفیں ہیئتی ہیں۔

مطلع، قافیہ و ردیف اور مقطع، غزل کے اجزائے ترکیبی ہیں۔ مطلع کا دوسرا نام ''سرغزل'' اور مقطع کا دوسرا نام ''پائینِ غزل'' ہے۔ اگر غزل میں مطلع کے بعد کا شعر ہم قافیہ ہو تو اسے ''حسن مطلع'' یا ''زیبِ مطلع'' کہتے ہیں۔ غزل اگر مطلع سے خالی ہو تو اسے ''سربریدہ'' اور مقطع سے خالی ہو تو ''دُم بریدہ'' کہتے ہیں۔ اسی طرح جس غزل میں ردیف نہیں ہو اسے ''غیر مردف'' کہتے ہیں۔ غزل میں عموماً پانچ سے انیس اشعار ہوتے ہیں لیکن یہ تعداد لازمی نہیں ہے۔

مقطع میں شاعر اپنا مختصر نام استعمال کرتا ہے جسے شعری اصطلاح میں تخلص کہتے ہیں۔ ''مرأۃ الخیال'' کے مصنف نے لکھا ہے کہ مقطع میں تخلص کی شمولیت سعدؔی شیرازی کی دین ہے۔

غزل کی مقبولیت کا راز اس کے ہمہ گیر موضوعات، علائم اور ایجاز و اختصار میں پنہاں ہے۔ چونکہ غزل کے لغوی معنی ''حکایات بایار گفتن'' ہے اور محبوب سے اشاروں کنایوں میں ہی باتیں اچھی لگتی ہیں، اس لیے غزل کا شاعر کنایوں، تشبیہوں، استعاروں اور دیگر شعری صنعتوں سے خوب کام لیتا ہے۔

فارسی میں غزل کی ایجاد کا سہرا رودکی سمرقندی کے سر ہے۔ اس کے معاصرین میں شہیدؔ بلخی اور دقیقؔی کے یہاں بھی خوبصورت غزلیں ملتی ہیں۔ رابعہؔ قزداری غزل کی پہلی شاعرہ ہے۔ پانچویں صدی ہجری میں فرخؔی غزل کا ایسا باکمال شاعر گزرا ہے جس کے اسلوب کی پیروی چھٹی صدی ہجری تک ہوتی رہی۔ ساتویں صدی ہجری کے شعرا نے تصوف و

معرفت کے مضامین سے غزل کے سرمایے کو وقیع کیا۔ صوفیانہ غزل کے لیے عطاؔر، روؔمی اور سناؔئی مشہور ہیں۔ اسی صدی کے شعرا میں سعدؔی کو امام غزل، حافؔظ کو سرخیل غزل اور امیر خسرؔو کو طوطیِ ہند کہا جاتا ہے۔

فارسی غزل میں ''سبکِ ہندی'' کا خاص رواج دسویں صدی ہجری کے نصف سے ہوا۔ نظیرؔی، عرؔفی، صائبؔ، کلیم، بیدؔل اور غالبؔ اس طرز کے معتبر شعرا میں شمار کیے جاتے ہیں۔ دور ہندوی میں غیر مسلم شعرا نے بھی غزل کے سرمایے میں قابلِ قدر اضافے کیے ہیں۔ قاچاری دور میں اور اس کے بعد نشاؔط، وصاؔل، فروؔغی، صبؔا، عبرؔت، صابرؔ، شہریار تبریزی اور فرخی غزل گوئی میں اساتذہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔

جدید دور میں احمد کسروی جیسے نقادوں نے غزل کی زبردست مخالفت کی لیکن اس صنف کی مقبولیت اور سخت جانی پر کوئی اثر نہیں پڑا۔ فارسی غزل کا سفر سابقہ ادوار کی طرح آج بھی رواں دواں ہے۔

امیر خسرؔو

فارسی شاعری میں امیر خسرو کی عالمی اور تاریخی حیثیت ہے۔ انھوں نے اُس دور میں فارسی شعر و ادب کا مرتبہ بڑھایا جب خود ایران ایک نازک ترین تاریخی دور سے گزر رہا تھا۔ چنگیزی حملوں کے نتیجے میں جن قبیلوں نے وسط ایشیا سے ہندستان کی طرف کوچ کیا انھیں میں ایک ترکی قبیلہ لاچین بھی تھا۔ امیر خسرو کے والد امیر سیف الدین محمود اس قبیلے کے سرداروں میں تھے۔ وہ سلطان شمس الدین التمش کے عہد حکومت میں ہندستان آئے اور دلّی میں سکونت پذیر ہوئے۔

امیر سیف الدین کی رسائی جلد ہی شاہی دربار میں ہوگئی۔ بادشاہ نے انھیں قصبہ پٹیالی ضلع ایٹہ کی جاگیرداری عطا کی۔ ان کی شادی بلبن کے وزیر جنگ امیر عماد الملک کی صاحبزادی دولت ناز سے ہوئی۔ ان کے تین لڑکے پیدا ہوئے۔ عزالدین علی شاہ، ابوالحسن یمین الدین خسرو اور حسام الدین قتلغ۔ خسرو کی ولادت ۶۵۱ھ / ۱۲۵۳ء میں ہوئی۔ ان کی عمر سات برس کی تھی کہ والد کا انتقال ہوگیا۔

امیر خسرؔو نے بیس سال کی عمر میں درسی علوم سے فراغت حاصل کر لی۔ اب تک ان کی شہرت بہ حیثیت شاعر

ہو چکی تھی۔ تکمیلِ علوم کے بعد وہ غیاث الدین بلبن کے بھتیجے علاء الدین کشلی خان عرف ملک چھجوؔ کی ادبی سرپرستی میں آ گئے۔ امیر خسرو نے ملک چھجوؔ کی مدح میں متعدد قصیدے بھی لکھے۔ ملک چھجو اہلِ شعر وسخن کا بڑا قدردان تھا۔ اس کی سرپرستی میں خسرو کی شاعرانہ صلاحیتیں خوب پروان چڑھیں۔ پھر بلبن کے بیٹے بغرا خان، شہزادہ محمد قآن اور دیگر کئی شہزادوں اور بادشاہوں کی سرپرستی امیر خسرو کو حاصل رہی۔ انھوں نے تین خاندان سے تعلق رکھنے والے سات بادشاہوں کا زمانہ دیکھا۔

امیر خسرو ۷۰۱ھ / ۱۳۰۱ء میں محبوبِ الٰہی حضرت نظام الدین اولیا سے بیعت ہوئے اور روحانی تعلیمات حاصل کیں۔ تصوف میں امیر خسرو کا روحانی سلسلہ تین واسطوں سے خواجہ معین الدین چشتی اجمیری تک پہنچتا ہے۔ محبوبِ الٰہی سے خسرو کو والہانہ عقیدت ومحبت تھی۔ جب محبوب الٰہی کا وصال ہوا تو خسرو بنگال میں تھے۔ وصال کی خبر پا کر عالمِ اضطراب میں دہلی پہنچے۔ یہ سانحہ ایسا جانکاہ تھا کہ چھ ماہ بعد ۷۲۵ھ / ۱۳۲۵ء میں خسرو بھی اس دارِفانی سے رخصت ہو گئے اور مرشد کی پائینتی میں دفن ہوئے۔

امیر خسرو کی تصنیفات میں پانچ دیوان تحفۃ الصغر، وسط الحیات، غرۃ الکمال، بقیہ نقیہ اور نہایت الکمال شامل ہیں۔ خمسۂ نظامی کی پیروی میں ان کی پانچ مثنویوں مطلع الانوار، شیریں خسرو، آئینۂ سکندری، لیلیٰ مجنوں اور ہشت بہشت کے علاوہ قران السعدین، نُہ سپہر، مفتاح الفتوح اور خزائن الفتوح وغیرہ بھی ان کی مشہور مثنویاں ہیں۔ نثر نویسی کے اصول وقواعد سے متعلق پانچ جلدوں پر مشتمل ''اعجازِ خسروی'' خسرو کا اہم کارنامہ ہے۔ فنِ موسیقی میں بھی انھیں کمال حاصل تھا۔ ہندوی کلام کے ابتدائی نمونے بھی ان سے منسوب ہیں۔

امیر خسرو نے گرچہ بیشتر مروّجہ اصناف شاعری میں طبع آزمائی کی لیکن ان کی غزلیں امتیازی اوصاف کی حامل ہیں۔ ان غزلوں میں جوش وخروش، سوزِ عشق، شدتِ جذبات، کلفتِ ہجر اور حدتِ احساس پوری آب وتاب کے ساتھ موجود ہے اور ان ہی خصائص کی وجہ سے وہ ''طوطیِ ہند'' کے لقب سے یاد کیے جاتے ہیں۔

غزلیاتِ خسرو

(۱)

گفتم کہ ترا آخر دل خانہ نمی باید
گفتا کہ پیِ گنجم، ویرانہ نمی باید
گفتم کہ بسوزم جان بر آتشِ روی تو
گفتا کہ چراغم را پروانہ نمی باید
گفتم کہ شوم محرم در مجلسِ خاصِ تو
گفتا کہ حریفِ ما، دیوانہ نمی باید
گفتم کہ بدامِ غم، ہر لحظہ مرا مفگن
گفتا کہ چنین مرغی، بی دانہ نمی باید
گفتم کہ ز عشقم دہ، پروانہ ای آزادی
گفتا کہ خطِ عارض پروانہ نمی باید
گفتم کہ بود مونس در ہجر تو خسرو را
گفتا کہ خیالِ ما بیگانہ نمی باید

الفاظ ومعانی

آخر - اور، دوسرا، مراد ہے کوئی
دل خانہ - مراد ہے: آشیانۂ دل، دل میں بسیرا
نمی باید؟ - کیا ضرورت نہیں؟
گفتا - (گفت + الف) اس نے جواباً کہا
پیِ گنج شدن - خزانے کی تلاش میں ہونا
جان سوختن - جان جلانا، مراد ہے جان نچھاور کرنا
آتش روی - چہرے کی آگ (مراد ہے: شمعِ رُخ، چہرے کی چمک)
برآتش روجان سوختن- بلائیں لینا، صورت پر قربان ہونا، کسی کی مصیبت اپنے ذمہ آنے کی دعائیں مانگنا
مجلس - انجمن، محفل (جمع: مجالس)
بہ دام افگندن - قید میں ڈالنا، پھنسانا
مرغ - پرندہ
پروانہ - اجازت، حکم، فرمان، پتنگا، عاشق
خطِ عارض - سبزۂ خط، رخساروں پر بالوں کے اُگنے سے ظاہر ہونے والی سبزی، مراد ہے، آغازِ جوانی، عنفوانِ شباب
مونس - ہمدم، غم خوار

غور کرنے کی باتیں:

☆ امیر خسرو فارسی کی عاشقانہ اور غنائی شاعری میں "مکتبِ وقوع" کے نمائندہ ہیں۔ اسی کو وقوعہ نگاری بھی کہتے ہیں۔ اس کا مطلب ہے عشق میں جو حالات پیش آئیں انھیں ادا کرنا۔ اردو میں لکھنؤ والوں کے یہاں "معاملہ بندی" کی اصطلاح کم وبیش اسی مفہوم میں ہے۔ بعضوں نے امیر خسرو کو طرزِ وقوع کا نمائندہ نہیں بلکہ اس کا موجد ہی کہا ہے۔ خسؔرو کی یہ غزل صنعتِ سوال و جواب یعنی مکالمہ کی صورت میں ہے اور یہ اس کا خاص حسن ہے۔ مزے کی بات یہ ہے کہ سوال و جواب

کے الفاظ ''گفتم اور گفتا'' سے ہر شعر میں تجنیس زائد کی خوبی پیدا ہوگئی ہے۔

☆ حافظ اور خسرو فارسی غزل کے ممتاز شعرا ہیں مگر خاص فرق یہ ہے کہ حافظ کی غزلیں زیادہ تر عرفانی اور آسمانی ہیں جب کہ خسرو کی غزلیں زیادہ تر انسانی اور زمینی ہیں۔ یہ فرق ''مکتبِ عرفان'' اور ''مکتب وقوع'' کا فرق ہے۔ حافظ اور خسرو کی غزلوں میں فرق ''سبک'' کی وجہ سے بھی آیا ہے۔ حافظ ''سبکِ عراقی'' کے شاعر ہیں اور خسرو کا رشتہ ایک خاص دائرے میں ''سبکِ ہندی'' سے ہے جس کی ابتدا ''شیوۂ بیانِ حال'' یعنی ''وقوعہ نگاری'' سے ہوئی تھی۔ چنانچہ پُرگوئی، واقعہ گوئی، احوال شخصی کا بیان اوراس طرح کی دیگر باتیں خسرو کے یہاں ملتی ہیں۔

☆ خسرو کی یہ غزل محبوب کی بے اعتنائی اور عاشق کے اظہارِ مدعا کا ایک منظر نامہ ہے۔ اس میں استعارے کی بہاریں ہیں۔ لفظی مناسبات، تضادات و تقابل، اضافت در اضافت اور حسنِ تکلّم کی خوبیاں موجود ہیں۔ یہاں بول چال کی زبان، استعارے کی زبان اور غزل کی زبان کے جلوے، منفرد طریقے سے یکجا ہوگئے ہیں۔

معروضی سوالات:

۱- امیر خسرو کا پورا نام کیا ہے؟
۲- امیر خسرو کے والد کا نام لکھیے۔
۳- امیر خسرو کی پیدائش کب اور کہاں ہوئی؟
۴- امیر خسرو نے کتنے بادشاہوں کا زمانہ دیکھا؟
۵- امیر خسرو کے مرشد کا نام بتائیے۔
۶- محبوب الٰہی کس بزرگ کا لقب ہے؟
۷- امیر خسرو کا سالِ وفات لکھیے۔
۸- امیر خسرو کی تدفین کہاں ہوئی؟

۹- امیر خسرو کے کتنے دیوان ہیں؟ دو دیوان کا نام لکھیے۔
۱۰- امیر خسرو کی کتاب ''اعجاز خسروی'' نثر میں ہے یا نظم میں؟
۱۱- دوسرے شعر میں خود محبوب نے اپنے چہرے کے لیے کون سا لفظ استعمال کیا ہے؟
۱۲- چوتھے شعر میں کس چیز کے لیے ''دانہ'' کا لفظ آیا ہے؟
۱۳- مطلع کے بموجب محبوب کیا ڈھونڈتا ہے؟

تفصیلی سوالات:

۱- خسؔرو کی غزل گوئی پر جامع نوٹ لکھیے۔
۲- تشریح کیجیے۔

گفتم کہ بسوزم جاں بر آتشِ روی تو
گفتا کہ چراغم را پروانہ نمی باید

۳- غزل سے مناسباتِ لفظی، اضافت در اضافت اور تضاد و تقابل کی مثالیں ڈھونڈیے اور واضح کیجیے۔

عملی کام:

۱- داخلِ نصاب غزل کے قافیے کے ہم وزن الفاظ تلاش کر کے لکھیے۔
۲- غزل میں آنے والی تراکیب کو یکجا کریں اور اُن کے معنی لکھیں۔

(۲)

خوش آن شبها که آن جانِ جهان مهمانِ من بودی
جراحتها که او کردی لبش درمانِ من بودی

گدائی می کنم آن وقت خوش را از درِ دلها
که آن گنجِ روان در خانهٔ ویرانِ من بودی

نمی گردد فراموش از دلم پای نگارینش
که جایش گه گهی بر دیدهٔ گریانِ من بودی

منِ محروم را چندین نم از چشمی نبودی هم
اگر زان کوی مشتی خاک در دامانِ من بودی

هزاران داغِ غم جان را شود زین حیرتم در دل
که کاش آن داغِ اسپش بر دلِ بریانِ من بودی

دلِ رفته نباید باز ره تا کی توان رفتن
رها کن خسروا باز آمدی گهه زانِ من بودی

الفاظ و معانی

خوش - مبارک، اچھا
جانِ جہان - مراد ہے محبوب
جراحت کردن - زخم لگانا
گدائی کردن - بھیک مانگنا، سوال لگانا
وقتِ خوش - مبارک گھڑی
گنجِ روان - چلتا پھرتا خزانہ، مراد ہے محبوب
پای نگارین - خوبصورت پاؤں
من محروم - میں محروم آدمی، مراد ہے عاشق
چشم نم بودن - آنکھوں میں نمی ہونا، غمگین ہونا
داغِ اسپ - مراد ہے گھوڑے کی ٹاپ کا نشان
دلِ بریان - جَلا ہوا دل
رِہا کردن - آزاد کرنا
آن - وہ، ملکیت، شان، انداز (''آن'' اسم بھی ہے اور ضمیر اشارہ بعید بھی ضمیر کے لحاظ ''آن'' بمعنی وہ، ضد: این)
از آن من بودی - میری ملکیت ہونا

غور کرنے کی باتیں:

☆ خسرو کے مطلع میں محبوب کی مہمانی کا ذکر ہے۔ یہی مضمون حافظ کے اس مطلع میں بھی ہے ؎

آن یار کزو خانۂ ما جای پَری بود
سر تا بہ قدم چون پری از عیب بَری بود

مگر پیش کش کے انداز میں فرق ہے۔ حافظ کے یہاں وصف محبوب ہے، تشبیہ ہے اور یہ دکھایا گیا ہے کہ محبوب کے آنے سے گھر کی رونق کس طرح بڑھی، یہ نہیں دکھایا گیا ہے کہ عاشق کے جذبے پر کیا اثر پڑا۔ جب کہ خسرو کے یہاں یہ دکھایا گیا ہے کہ محبوب کے ملنے سے عاشق کے غم کا کیسا مداوا ممکن ہے اور اس کے جذبے پر کیا اثر ہوگا۔ حافظ کے یہاں محبوب کا آنا ہے اور خسرو کے یہاں محبوب کے آنے کا تصور۔ خسرو کے مطلع میں تشبیہ نہیں، لفظی رعایت ہے۔ حافظ نے محبوب کا حسن دکھایا ہے اور وہ اثر جو گھر اور ماحول پر پڑا، خسرو نے محبوب کا مرتبہ دکھایا ہے اور وہ فیض و اثر جو عاشق کے تصور میں ہے۔ اس طرح بڑے شاعروں کے یہاں ایک ہی موضوع کے اشعار میں فرق سمجھا جا سکتا ہے۔

☆ ایک بات کو دوسری بات پر منحصر کر دینا ''تعلیق'' ہے۔ جب لفظ یا ترکیب اپنے لغوی معنی کو چھوڑ کر، سیاق و سباق کے لحاظ سے نئے معنی دینے لگیں تو یہ ''استعارہ'' کی صورت ہے، استعارہ گویا خاص قسم کا اشارہ ہوتا ہے۔ خسرو کی اس غزل میں محبوب کے لیے کئی استعارے آئے ہیں اور یہاں تعلیق کی مثال بھی موجود ہے۔

☆ خسرو کی یہ غزل عاشقانہ خیال اور تمنا کا اظہار کرتی ہے۔ اور یہ بتاتی ہے کہ محبوب ہی غم کا مداوا کر سکتا ہے۔ یہاں عاشق کے جذبات کی ترجمانی ہے اور شاعر نے عاشق کی حیثیت سے خود کو سمجھانے والا مضمون مقطع میں باندھا ہے۔

معروضی سوالات:

۱- شاعر نے خود کو ''محروم'' کہا ہے، اس کی محرومیت کیا ہے؟
۲- شاعر نے محبوب کے پاؤں کا ذکر کس طرح کیا ہے؟
۳- شاعر کس چیز کو بھول نہیں پاتا؟

تفصیلی سوالات:

۱- تشریح کریں:

منِ محروم را چندین نم از چشمی نبودی ہم
اگر زان کوی مشتی خاک در دامانِ من بودی

۲- اس غزل سے شاعر کی کون کون سی تمناؤں کا اظہار ہوتا ہے؟ اختصار سے لکھیں۔

۳- خسرو کی غزل گوئی پر ایک جامع نوٹ قلم بند کریں۔

عملی کام:

۱- خسرو کی اس غزل میں ایک مصرع ''ہشت دوائر'' ہے، یعنی ایسا مصرع جس میں آٹھ الفاظ دائرے کے ساتھ ہیں۔ وہ مصرع کون سا ہے اور وہ الفاظ کون کون سے ہیں؟ ڈھونڈیے اور ان کے معنی لکھیے۔

۲- ''جانِ جہان'' اور ''گنجِ روان'' کے نمونے پر چند ترکیبیں بنائیے اور اپنے استاد کو دکھلائیے۔

خواجہ حافظ شیرازی

فارسی ہی نہیں بلکہ عالمی شاعری میں خواجہ حافظ کا مرتبہ مسلّم ہے۔ ان کا نام شمس الدین اور لقب ''لسان الغیب'' ہے۔ حافظ کی ولادت شیراز میں ۷۲۶ھ / ۱۳۲۵ء میں ہوئی۔ ان کے آبا و اجداد اصفہان یا سرکان سے ترکِ وطن کر کے اتابکانِ فارس کے دور میں شیراز آئے تھے۔ جو لوگ اصفہان کو حافظ کا آبائی وطن قرار دیتے ہیں انھوں نے ان کے والد کا نام کمال الدین بتایا ہے اور جو سرکان کو ان کا جدی وطن قرار دیتے ہیں انھوں نے ان کے والد کا نام بہاء الدین لکھا ہے۔ حافظ کی والدہ کازرون فارس کی تھیں اور حافظ کا مکان شیراز کے دروازہ کازرون یا شیادان میں تھا۔

خواجہ حافظ اپنے تین بھائیوں میں سب سے چھوٹے تھے۔ والد کے انتقال کے بعد انھیں معاشی بحران کا شکار ہونا پڑا۔ ان کی والدہ انھیں کے ساتھ تھیں، انھوں نے اپنے بیٹے کو ایک شخص کے سپرد کیا لیکن حافظ کو اس کا انداز پسند نہیں آیا اور وہ ایک نان بائی کی دکان پر خمیر گری کا کام کرنے لگے۔ حافظ اپنی مزدوری تین حصوں میں منقسم کرتے تھے۔ ایک حصہ اپنی والدہ کو دیتے، ایک حصہ اس استاد کو جن کا مکتب نان بائی کی دکان کے قریب تھا اور تیسرا حصہ خیرات کر دیتے تھے۔

خواجہ حافظ نے اپنے وطن ہی میں علوم و کمالات کی تحصیل کی اور اپنے زمانے کے قوام الدین عبداللہ (متوفی ۷۷۲ھ / ۱۳۷۰ء) جیسے افاضلین سے درس لیا۔ انھوں نے قوانینِ ادب اور شعرائے عرب کے دیوان کا بالاستیعاب مطالعہ کیا۔ خواجہ نے قرآن پاک حفظ کیا تھا، اسی مناسبت سے حافظ تخلص اختیار کیا۔ انھوں نے اپنی زندگی میں چار بادشاہوں کا زمانہ دیکھا۔ وہ اپنی جوانی کے دنوں میں شاہانِ اینجو اور آلِ مظفر کے دربار سے وابستہ رہے۔ خصوصاً ابواسحاق اینجو کے دربار میں انھیں بڑا تقرّب حاصل تھا۔ حافظ نے شاہانِ آلِ مظفر، امیر مبارز الدین، شاہ شجاع، شاہ یحییٰ اور شاہ منصور کا ذکر اپنی غزلوں میں کیا ہے۔ انھوں نے اصفہان اور یزد کے مختصر سے سفر کے علاوہ پوری زندگی اپنے وطن میں ہی

بسر کی۔ یہاں تک کہ نہ تو والیِ بغداد سلطان بن شیخ اویس کی دعوت پر شیراز سے باہر گئے اور نہ ہی حکمرانِ دکن محمود شاہ بہمنی اور حکمرانِ بنگال غیاث الدین بن سکندر کی دعوتوں پر اپنا وطن چھوڑنا گوارا کیا۔

خواجہ حافظ کی وفات ۷۹۱ھ / ۱۳۸۹ء میں شیراز میں ہوئی اور اپنے پسندیدہ مقام ''مصلّٰی'' میں مدفون ہوئے۔ ''خاکِ مصلّٰی'' سے ان کا سالِ وفات برآمد ہوتا ہے۔

خواجہ حافظؒ کی شہرت ان کے دیوان سے ہے، جس میں غزلوں کے علاوہ مثنوی، ساقی نامہ اور چند قصیدے بھی شامل ہیں۔ حافظ نے اگرچہ نہایت فتنوں سے بھرے دور میں زندگی گزاری لیکن یہ ان کا کمال ہے کہ نہ تو انھوں نے کسی کی مدح میں غلو کیا اور نہ ہی کبھی صبر اور سنجیدگی کا دامن ان کے ہاتھوں سے چھوٹنے پایا۔ حافظ تصوف کی روح سے پوری طرح آگاہ تھے۔ انھوں نے عاشقانہ مضامین کو صوفیانہ مطالب سے ملا کر پیش کرنے میں حد درجہ کمال دکھایا ہے۔ ان کا دیوان عالمی شہرت رکھتا ہے اور بار بار شائع ہوتا رہتا ہے۔

غزلیاتِ حافظ

(۱)

آن یار کزو خانۂ ما جای پری بود
سرتا بہ قدم چون پَری از عیب بَری بود
دل گفت فروکش کنم این شہر بہ بویش
بیچارہ ندانست کہ یارش سفری بود
تنہا نہ ز رازِ دلِ من پَردہ بر افتاد
تا بود فلک شیوۂ او پَردہ دَری بود
عذری بنہ ای دل کہ تو درویشی و او را
در مملکتِ حسن سرِ تاجوری بود
خوش بود لبِ آب وگلِ وسبزہ ولیکن
افسوس کہ آن گنجِ روان رہ گزری بود
اوقاتِ خوش آن بود کہ با دوست بسر شد
باقی ہمہ بے حاصلی و بے خبری بود
ہر گنج سعادت کہ خدا داد بہ حافظ
از یمنِ دعای شب و وردِ سحری بود

الفاظ و معانی

جای پری - پری خانہ، پرستان

سرتابہ قدم - سر سے پیر تک (مترادف: از فرق تا بہ قدم)

فروکشیدن - قیام کرنا، کھینچنا، اُتارنا

فروکش کردن - خود کو مقیم بنانا، ٹھہرنا، قیام کرنا

سفری - مسافر

پردہ برافتادن - پردہ اٹھنا، راز ظاہر ہونا

شیوہ - عادت

پردہ دریدن - عیب ظاہر کرنا، راز کھولنا

عذر نہادن - عذر کرنا، معذرت کرنا، معافی چاہنا، معذور سمجھنا، بے قصور جاننا

مملکتِ حسن - حسن کی سلطنت

سرِ تاجوری - بادشاہت کا گھمنڈ

اوقاتِ خوش - اچھا زمانہ

بی خبری - لاعلمی، جہالت، غفلت

سعادت - نیک بختی

یُمن - برکت

غور کرنے کی باتیں:

☆ فارسی غزل میں حافظؔ ''سبکِ عراقی'' کے سب سے بڑے شاعر ہیں۔ فکری اعتبار سے فخر و تعلّی کا اظہار، مذہبی حس، وعظ و نصیحت اور عرفان و تصوف کا پھیلاؤ ''سبک عراقی'' کے بعض نمایاں خصائص ہیں۔ نئی نئی ترکیبوں کی فراوانی، اجنبی اور نامانوس لغات سے پرہیز اور وزن میں خوش آہنگی، ادبی آراستگی اور نزاکت و نفاست اس سبک کے خاص جوہر ہیں اور یہ ساری خوبیاں حافظؔ کی غزلوں میں موجود ہیں۔

☆ یہاں شاعر نے وصفِ محبوب، دل کی معصومیت، محبوب کے مزاج، عاشق کی نفسیات اور جورِ زمانہ کے اشارات جیسے موضوعات و مضامین پیش کیے ہیں اور شاعر کا عقیدہ ہے کہ دعائے شب اور وردِ سحر سے خوش بختی کے خزانے ملتے ہیں۔

☆ حافظؔ کی یہ غزل تشبیہ، استعارہ اور محاورے کی بندش کے عمدہ نمونے پیش کرتی ہے۔ کئی شعر اس طرح سہلِ ممتنع کا نمونہ ہیں کہ ان کی نثر نہیں بن سکتی۔

☆ پڑھنے والے کو خود جو شعر سب سے اچھا لگے، اسے "بیت الغزل" کہتے ہیں۔ حافظؔ جیسے بڑے شعرا کی غزلوں میں اپنی اپنی پسند کے لحاظ سے "بیت الغزل" کی تلاش ہو سکتی ہے۔ بیت الغزل کو حاصل غزل بھی کہتے ہیں۔

معروضی سوالات:

۱- خواجہ حافظؔ کا کیا نام تھا؟
۲- خواجہ حافظؔ کا لقب بتائیے؟
۳- خواجہ حافظؔ کس سنہ میں پیدا ہوئے؟
۴- خواجہ حافظؔ کہاں پیدا ہوئے؟
۵- حافظؔ نان بائی کی دکان میں کیا کرتے تھے؟
۶- "نان بائی" کا مفہوم کیا ہے؟
۷- حافظؔ اپنی مزدوری کتنے حصوں میں تقسیم کرتے تھے؟
۸- حافظؔ کو جن ہندستانی بادشاہوں نے یہاں آنے کی دعوت دی، ان کے نام لکھیے۔
۹- حافظؔ کے مدفن کو کیا کہتے ہیں؟
۱۰- حافظؔ کا سالِ وفات ۷۹۱ھ ہے، یہ تاریخ کس فقرے سے برآمد ہوتی ہے؟
۱۱- شاعر کی نظر میں مبارک لمحے کیا ہیں؟
۱۲- خوش بختی کے خزانے کیسے ملتے ہیں؟
۱۳- چوتھے شعر میں حافظؔ کس سے مخاطب ہیں؟

۱۴- ''گنجِ رواں'' سے کیا مراد ہے؟

۱۵- ترتیب درست کیجیے:

(i)	محمود شاہ بہمنی	(i)	حافظ کا نام
(ii)	غیاث الدین بن سکندر	(ii)	تین
(iii)	حافظ نے کتنے بادشاہوں کا زمانہ دیکھا	(iii)	حکمرانِ بنگال
(iv)	حافظ کتنے بھائی تھے	(iv)	حکمرانِ دکن
(v)	شمس الدین	(v)	چار

تفصیلی سوالات:

۱- تشریح کریں:

اوقاتِ خوش آن بود کہ با دوست بسر شد
باقی ہمہ بی حاصلی و بی خبری بود

۲- مقطع کے موضوع و مضمون اور مقصد پر روشنی ڈالیے۔

۳- ''سبکِ عراقی'' سے اپنی واقفیت ظاہر کیجیے۔

۴- غزلیاتِ حافظ کی عمومی خوبیاں بیان کیجیے۔

عملی کام:

۱- محاوروں کو یکجا کریں اور معنی لکھیں۔

۲- غزل کا سب سے پسندیدہ شعر اپنی کاپی میں لکھیں اور اس کا ترجمہ کریں۔

(۲)

سحر با باد می گفتم حدیثِ آرزو مندی
خطاب آمد که واثق شو به الطافِ خداوندی

قلم را آن زبان نبود که سرّ عشق گوید باز
ورای حدِّ تقریر است شرحِ آرزو مندی

جهانِ پیرِ رعنا را مروّت در جبلّت نیست
ز مهر او چه می خواهی درو همت چه می بندی

درین بازار اگر سود است با درویش خرسند است
خدایا منعم گردان به درویشی و خرسندی

دعای صبح و شامِ تو کلیدِ گنج مقصود است
به این راه و روش میرو که با دلدار پیوندی

ز شعرِ حافظ شیراز می گویند و می رَقصند
سیه چشمانِ کشمیری و ترکانِ سمرقندی

الفاظ و معانی

واثق - مضبوط، مستحکم

خطاب آمدن - ندا آنا، آواز آنا

واثق شدن - یقین رکھنا

الطاف - مہربانیاں (واحد: لطف)

باز گفتن - کھل کر کہنا، صاف صاف کہنا، دوبارہ کہنا

ورا - آگے، پیچھے، ماسوا (یہ لغت اضداد میں سے ہے، ایسا لفظ جو بیک وقت متضاد معنی دیتا ہے جیسے خواجہ بمعنی آقا بھی ہے اور بمعنی غلام بھی)

تقریر - بیان (جمع: تقاریر) مراد ہے تشریح

پیر رعنا - خوبصورت بڑھیا (یہ بطور طنز ہے، مراد ہے بے وفا دنیا)

جبلّت - فطرت، فطری عادت، پیدائشی مزاج (مترادف: سرشت)

مروّت - مردمی، مردانگی، بہادری، لحاظ و خیال، ہمدردی، مہربانی

ہمت بستن - ارادہ کرنا، امید لگانا، حوصلہ باندھنا

خرسند - خوش و خرم

منعِم - انعام کرنے والا (منعَم: جس پر انعام کیا جائے)

منعَم گردانیدن - مالا مال کر دینا

راہ و روش - راستہ اور رفتار (مراد ہے: طریقہ، کام کا انداز، طور طریقہ)

بادلدار پیوستن - محبوب تک پہنچ جانا، محبوب سے وصل حاصل ہونا

زشعرِ حافظ گفتن - حافظ کا کلام پڑھنا

سیہ چشمانِ کشمیری - سیاہ آنکھوں والی کشمیر کی محبوبائیں، معشوقانِ کشمیر

تُرکان - (واحد: تُرک) معشوق

غور کرنے کی باتیں:

☆ حافظؔ بنیادی طور پر صوفی شاعر ہیں۔ خصوصیت سے اس مفہوم میں کہ انھوں نے تصوف اور اخلاق کو تغزل کے ساتھ پیش کیا ہے۔ ان کے کلام میں عشق حقیقی، دنیا کی بے ثباتی، اخلاقیات، پند و نصائح، دعا وتمنا کے مضامین ملتے ہیں۔ ان کا عقیدہ ہے کہ معرفت کی باتیں کما حقہ تحریر میں نہیں آسکتیں۔ خدا کی مہربانی ہی سے آرزوئیں پوری ہوسکتی ہیں، دنیا سے محبت بے وقوفی ہے۔ درویشی اور قناعت ہر حال میں سب سے بڑی دولت ہے۔ مقصد کو پانے کے لیے محبوب حقیقی سے لو لگائے رکھنا چاہیے۔

☆ حافظؔ کے یہاں بعض جگہ سہلِ ممتنع، طنزِ لطیف اور مختلف قسم کی شاعرانہ صنعتوں سے کام لیا گیا ہے۔

☆ اپنی شاعری کے بارے میں کسی صنف کے بڑے شاعر کا بیان، اس صنف کی اہم خصوصیت کا اشارہ ہوتا ہے۔ یہاں مقطع کے مضمون سے یہ واضح ہے کہ غزل میں وجد آفرینی کی کیفیت اس کا ایک اہم وصف ہے۔

☆ اشعار میں ضمیر متصل اگر اسم کے ساتھ ہو تو وہ حسب قرینہ مفعولی معنی بھی دے سکتی ہے اور فعل کے ساتھ ہو تو اضافت کا معنی بھی۔ پہلی صورت کی مثال یہاں موجود ہے۔ ترجمہ کے لیے اس نکتہ پر توجہ ضروری ہے۔

☆ اس غزل کے مقطع میں تعلّی کا استعمال کیا گیا ہے۔ اس کے تحت شاعر خود پر فخر ومباہات کرتا ہے۔

معروضی سوالات:

۱- یہاں تعلّی کا شعر کون سا ہے اور تعلّی کے کیا معنی ہیں؟
۲- شاعر نے ''حدیث آرزومندی'' کس سے کہا؟
۳- حافظؔ کے شعر پر جھومنے والے کون کون ہیں؟
۴- کہنے اور سننے کی بات کس شعر میں ہے؟

۵- غزل میں کون سا لفظ ضمیر متصل کے ساتھ آیا ہے؟
۶- سننے اور جھومنے کی بات کس شعر میں آئی ہے؟
۷- "بازار" سے شاعر کی مراد کیا ہے؟
۸- کس چیز کو شاعر نے مقصد کے خزانے کی کُنجی کہا ہے؟
۹- اس غزل کو ہندستان سے کیا نسبت ہے؟

تفصیلی سوالات:

۱- تشریح کریں:

جہانِ پیرِ رعنا را مروّت در جبلّت نیست
ز مہر اوچہ می خواہی، درو ہمت چہ می بندی

دعای صبح و شامِ تو کلیدِ گنج مقصود ست
بہ این راہ و روش می رو کہ با دلدار پیوندی

۲- حافظ کی اس غزل میں کون سی دعا ہے اور کون کون سی نصیحتیں؟
۳- تجنیس زائد، تضاد، اشتقاق اور سوالیہ انداز کی مثالیں تلاش کریں اور لکھیں۔

عملی کام:

۱- داخلِ نصاب غزل سے تین لفظوں والی ترکیبیں جمع کریں اور ان کے معنی لکھیں۔
۲- غزل کا مقطع یاد کریں۔
۳- داخلِ نصاب غزل میں جن مقامات کے نام آئے ہیں ان کے بارے میں معلومات حاصل کریں۔

چندر بھان برہمنؔ

فارسی زبان وادب کے غیر مسلم شاعروں اور انشا پردازوں میں برہمنؔ کا نام محتاج تعارف نہیں۔ ان کا پورا نام پنڈت چندر بھان رائے اور تخلص برہمنؔ ہے۔ ان کے والد دھرم داس مغلیہ حکومت میں اعلیٰ منصب پر فائز تھے۔ برہمن کی پیدائش لاہور میں ہوئی۔ تاریخِ ولادت کہیں درج نہیں لیکن اتنا طے ہے کہ وہ عہدِ شاہ جہانی میں پیدا ہوئے۔ ان کی وفات ۱۰۷۳ھ / ۱۶۶۲ء میں آگرہ میں ہوئی۔

علومِ مروّجہ سے فراغت کے بعد برہمنؔ کی قربت داراشکوہ سے ہوئی۔ داراشکوہ نے شاہ جہاں سے درخواست کر کے برہمنؔ کو اپنا معتمدِ خاص بنالیا پھر شاہ جہاں کے دربار میں وہ وقائع نگاری کی خدمت پر مامور ہوئے اور ''رائے'' کے خطاب سے نوازے گئے۔ برہمنؔ اپنی زندگی کے آخری ایام میں مقبرہ جہانگیر کے مہتمم تھے۔ انھوں نے چالیس سال تک مغلیہ سلطنت کی خدمت کی اور پھر اپنے وطن لاہور میں گوشہ نشیں ہوگئے۔

برہمن کی تصانیف میں گلدستہ، چہار چمن، تحفۃ الانوار، تحفۃ الفصحا، مجمع الفقرا، رقعاتِ برہمن، منشاتِ برہمنؔ، انشائے ہفت گلشن اور دیوان شامل ہیں۔ ان میں سب سے زیادہ مشہور اور اہم ''چہار چمن'' ہے، جس کی تالیف ۱۰۵۵ھ / ۱۶۴۷ء میں ہوئی۔

انھوں نے اپنی غزلوں میں دیگر موضوعات کے علاوہ ہندو ویدانت کے مضامین کو جس خوبی سے نظم کیا ہے وہ قابلِ دید بھی ہے اور قابلِ داد بھی۔ برہمن کا مقولہ تھا کہ ''در جہان باش ولیکن ز جہان فارغ باش''، یعنی دنیا میں رہو مگر دنیا سے بے نیاز رہو۔ اس مقولے پر وہ خود پوری زندگی عمل پیرا رہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی غزلوں میں بھی دنیا سے بے نیازی کا اظہار بار بار ہوا ہے۔

غزلیاتِ برہمنؔ

اے برتر از تصوّر و وہم و گمانِ ما
ای درمیانِ ما و بُرون از میانِ ما
آئینہ گشت سینۂ ما از فروغِ عشق
شد جلوہ گاہِ صورت معنی نہانِ ما
جا کرد درمیانِ رگ و ریشہ مہرِ دوست
پَرورده شد بہ مغزِ وفا استخوانِ ما
استادِ عشق حوصلہ فرمای عاشق است
صد جا شکست تا بہ لب آمد فغانِ ما
مانند غنچہ گرچہ خموشیم برہمنؔ
لیکن پُر از نَواست چو بلبل زبانِ ما

الفاظ و معانی

تصور - دھیان، خیال، سوچ (جمع: تصورات)

آئینہ گشتن - روشن ہونا

فروغ - روشنی، چمک

جلوہ گاہ - سامنے آنے کی جگہ، تجلّی کا مقام

جاکردن - جگہ بنانا، مقام بنانا، ٹھہرنا (جدید فارسی میں "جاکردن" کے معنی ہیں "پاؤں جمانا" جیسے "درآن ادارہ جاکرد" اس ادارے میں اس نے پاؤں جمالیا)

ریشہ - درخت کی نس، پھل یا گوشت وغیرہ کا تار (جدید فارسی میں "ریشہ" کے معنی ہیں "جڑ")

رگ و ریشہ - رگ پٹھا، اصل و نسل، خُو بُو

مغز - گودا

استخوان - ہڈی (مترادف: عظم)

غور کرنے کی باتیں:

☆ غزل میں عشق کے مضامین ہوتے ہیں۔ یہ عشق، عشقِ مجازی بھی ہوسکتا ہے یعنی دنیا اور دنیا کی چیزوں سے محبت، اور حقیقی بھی۔ عشقِ حقیقی ہی کا دوسرا نام عرفان و تصوف ہے۔ برہمن کا کلام سادگی کا وصف رکھتا ہے اور صوفیانہ تخیل میں ڈوبا ہوا نظر آتا ہے۔ خدا سے محبت کی منزلیں اور عشق کی کیفیتیں اس کے یہاں خوب ملتی ہیں۔ وہ عشق کی تجلّی کی باتیں کرتا ہے، عاشق کی وفاداری اور دنیا سے بے اعتنائی دکھاتا ہے۔

☆ ایک بنیادی لفظ سے بنے دو لفظ کا شعر میں استعمال "صنعتِ اشتقاق" ہے اور ایک بنیادی چیز کی رعایت سے چند چیزوں کے نام لانا "رعایتِ لفظی" یا "لفظی مناسبات"۔ برہمن کی اس غزل میں ایسے نمونے موجود ہیں۔

☆ شاعر کبھی قرینہ کی بنیاد پر اپنے تخلص کے ساتھ والا خطابیہ لفظ حذف کر دیتا ہے۔ برہمن کے مقطع میں یہ صورت دیکھی جا سکتی ہے۔ اسے ترجمہ کے وقت ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔

معروضی سوالات:

۱- برہمن کا پورا نام لکھیے؟
۲- برہمن کس مغل بادشاہ کے زمانے میں پیدا ہوئے؟
۳- برہمن کا سال وفات بتائیے؟
۴- برہمن کا انتقال کس شہر میں ہوا؟
۵- برہمن شاہ جہاں کے دربار میں کس عہدے پر بحال ہوئے؟
۶- برہمن کو ''رائے'' کا خطاب کس بادشاہ نے دیا تھا؟
۷- برہمن نے کتنے برس مغلیہ سلطنت کی خدمت کی؟
۸- برہمن کی دو مشہور کتابوں کے نام بتائیے؟
۹- مطلع میں شاعر کا خطاب کس سے ہے؟
۱۰- مقطع میں کون کون سے حروف تشبیہ ہیں؟
۱۱- دوسرے شعر کی روشنی میں بتائیں کہ ''فروغِ عشق'' سے شاعر کو کیا ملا؟
۱۲- مطلع یا سرِ غزل کا موضوع بتائیے۔

تفصیلی سوالات:

۱- مطلعِ غزل کی تشریح کریں۔
۲- درج ذیل اشعار کی تشریح پیش کریں اور موضوع و مضمون کے ساتھ ساتھ یہ بتائیں کہ شاعر کیا کہنا چاہتا ہے اور شعر میں ادبی خوبی کیا ہے؟

جاکرد درمیانِ رگ و ریشہ مہرِ دوست　پرورده شد به مغزِ وفا استخوانِ ما
استادِ عشق حوصلہ فرمای عاشق است　صد جا شکست تا بہ لب آمد فغانِ ما

عملی کام:

۱- برہمن کی داخلِ نصاب غزل میں لفظی رعایت، اشتقاق اور تشبیہ کی مثالیں تلاش کریں۔
۲- داخلِ نصاب غزل سے محاورے جمع کیجیے اور ان کے معنی یاد کیجیے۔
۳- برہمن کی اس غزل کے مطلع اور مقطع کی تشریح کیجیے۔

(۲)

من عاشقم مرا بہ ہوس احتیاج نیست
مرغِ رمیدہ را بہ قفس احتیاج نیست

ہرگز نظر بہ جیفۂ دنیا نیفگنم
شہباز را بہ بالِ مگس احتیاج نیست

در گوشۂ خمول چون عنقا فتادہ ام
دیگر مرا بہ صحبتِ کس احتیاج نیست

گر سوی ما ندید، برہمن ازو مرنج
گل را بہ آشنائیٔ خس احتیاج نیست

الفاظ و معانی

احتیاج - حاجت، ضرورت
رمیدہ - بھاگا ہوا، وحشی (مصدر رمیدن سے اسم مفعول، رمیدن: بھاگنا، وحشت کر کے بھاگنا)
جیفہ - مُردار، سڑی ہوئی لاش
جیفۂ دنیا - مُردار دنیا (مراد ہے ناپائیدار دنیا اور اس کی ناپسندیدہ چیزیں)

شہباز - بڑا باز، بڑا شکاری پرندہ
بال - پَر، بازو، ڈینا
مگس - مکھی
گوشہ - کونا، تنہائی کا مقام
خمول - گمنامی
گوشۂ خمول - گوشۂ تنہائی یا گمنامی
عنقا - ایک فرضی پرندہ
صحبت - ہم نشینی، پاس رہنا (جدید فارسی میں ''صحبت'' کے معنی ہیں ''بات چیت'')

غور کرنے کی باتیں

☆ برہمن کے کلام کی سادگی اس کا حسن ہی نہیں، اس کی قوت بھی ہے کیوں کہ اس میں گہری فن کاری ہے۔ مثلاً داخلِ نصاب غزل میں صنعت استدلال کا بہت عمدگی سے استعمال ہوا ہے۔ ''استدلال'' یا ''تمثیلیہ'' کا مطلب ہے شعر کے پہلے مصرع میں کوئی دعویٰ کرنا اور دوسرے مصرعے میں اس کی دلیل پیش کرنا۔

☆ غزل کے دوسرے شعر میں ''دنیا'' کے تعلق سے مضمون باندھا گیا ہے۔ یہاں دنیا سے بے رغبتی کی بات ہے۔ کچھ ایسا ہی مضمون حافظ کی غزل کے اس شعر میں بھی ہے ؎

جہانِ پیر رعنا را مروّت در جبلّت نیست
ز مہراو چہ می خواہی، درو ہمت چہ می بندی

مگر دونوں جگہ پیش کش کا فرق ہے۔ حافظ کا انداز سوالیہ ہے۔ وہ سمجھ کر اور سوچ کر پڑھنے والوں کو فیصلہ کا موقع دیتا ہے۔ برہمن کا انداز ''استدلالیہ'' ہے۔ وہ اپنے کردار کو دعویٰ و مثال بناتا ہے اور اس پر دلیل لاتا ہے۔ کسی دو شعر کا بنیادی موضوع و مطلب ایک ہوسکتا ہے مگر پیش کش کا انداز اسے اپنی اپنی جگہ منفرد بنا دیتا ہے۔

☆ برہمن کی یہ غزل ''سہلِ ممتنع'' کا نمونہ ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ کلام بہ ظاہر آسان معلوم ہو لیکن اسے وضع کرنا دشوار ہو یعنی صحتِ زبان و قواعد کے ساتھ اس سے زیادہ آسان لکھنا تقریباً مشکل ہو۔ ایسا کلام نثری رنگ و آہنگ سے قریب آجاتا ہے۔ اس کی ایک صورت یہ ہے کہ شاعر صَرف و عروض کے ساتھ نحو کی پابندی بھی کرتا چلا جاتا ہے۔ یہی کیفیت یہاں ہے۔

معروضی سوالات:

۱۔ برہمن کی اس غزل سے کسی دو پرندے کا نام چنیے۔

۲۔ دوسرے شعر میں جیفۂ دنیا سے کیا مراد ہے؟

۳۔ گوشۂ خمول کے معنی کیا ہیں؟

تفصیلی سوالات:

۱۔ داخلِ نصاب غزل کی روشنی میں بتائیے کہ عاشق کے اوصاف کیا ہوتے ہیں؟

۲۔ تشریح کیجیے:

ہرگز بہ نظر جیفۂ دنیا نیفگنم　　شہباز را بہ بالِ مگس احتیاج نیست

در گوشۂ خمول چون عنقا فتادہ ام　　دیگر مرا بہ صحبتِ کس احتیاج نیست

۳۔ غزل کے مطلع اور مقطع کا مرکزی خیال کیا ہے، بتائیے؟

عملی کام:

۱۔ اس غزل سے خوبصورت ترکیبیں جمع کریں اور ان کے معنی و مفہوم لکھیں۔

۲۔ جو شعر آپ کی نظر میں حاصلِ غزل ہو اسے اپنی کاپی میں لکھیں اور اس کا ترجمہ کریں۔

نظمِ جدید

فارسی کی جدید اصناف شاعری میں نظم محتاجِ تعارف نہیں۔ نظم کا لفظ اصلاً عربی نژاد ہے اور اصطلاح میں اس کا استعمال کبھی نثر کے مقابلے میں ہوتا ہے اور کبھی غزل کے مقابلے میں۔ یعنی نظم وہ بھی ہے جو نثر نہ ہو اور وہ بھی ہے جو غزل نہ ہو۔ چنانچہ نظم سے ان اسالیب و اصناف کی طرف اشارہ ہوتا ہے جن میں کسی خاص موضوع پر افکار و تاثرات کو مسلسل اشعار کی صورت میں ربط و تسلسل کے ساتھ پیش کیا گیا ہو۔ ظاہر ہے کہ اس طرح نظم کا دائرہ بہت وسیع ہو جاتا ہے اور اس میں ایسی بہت ساری قدیم اور کلاسیکی اصناف داخل ہو جاتی ہیں جن کی اپنی روایت ہے، اپنے اصول ہیں اور اپنی تاریخ ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ نظم ایک ایسی صنف ہے جس کی نازک پہچان نہ تو صرف موضوع سے ہے نہ ہیئت سے بلکہ کافی حد تک تہذیبی اثرات سے بھی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نظم کے مقابلے میں نظمِ جدید کی اصطلاح ایک نیا تصور لے کر سامنے آتی ہے۔ دراصل نظمِ جدید وہ ہے جس میں شاعر نے جدید دور کی زندگی اس کے مسائل اور خیالات و جذبات کی ترجمانی کی ہو اور قدیم اصناف کے بندھے ٹکے ضابطوں کی پابندی اپنے لیے لازم نہ رکھی ہو بلکہ کبھی مسلّمہ اور مانوس ہیئت سے کام لیا ہو تو کبھی نئی اور اچھوتی ہیئت کا بھی استعمال کیا ہو۔ اس لحاظ سے فارسی کا عہدِ جدید، نظمِ جدید کے فروغ کا زمانہ قرار پایا ہے۔

فارسی نظم اگر ایک طرف قدیم انداز کے شعرا کی مرہونِ منّت ہے تو دوسری طرف اس میں پروین اعتصامی، فریدون تولّلی، ایرج مرزا، محمد حسین فروغی، علی اکبر دہخدا اور عارف قزوینی جیسے شعرا کا کلام بھی ملتا ہے جنھوں نے مغرب کی تقلید بھی کی ہے اور قدیم روش کو بھی ہاتھ سے جانے نہیں دیا ہے۔ ان فن کاروں کے بالمقابل بہار خراسانی، فرخی یزدی

اور سعید نفیسی جیسے شعرا ہیں جن کے یہاں قدیم ہیئت میں نئے افکار کی پیش کش ہوئی ہے۔

فارسی نظم کا سرمایہ موضوعاتی تنوع سے بخوبی آراستہ ہے۔ یہاں وطنیت، تعلیمِ نسواں، اشاعتِ علم، فرہنگ و سیاست، اخلاقیات اور نسائیات جیسے موضوع پر ہی نظمیہ شاعری کا بڑا سرمایہ موجود نہیں بلکہ ایسی نظموں کا بھی وافر ذخیرہ موجود ہے جن میں سماجی تنقید، تاریخ، عصری ایجادات اور نسلِ نو کی تربیت کو موضوع بنایا گیا ہے۔ نظریاتی اعتبار سے فرخی، لاہوتی اور رعدی جیسے شعرا نے اگر اشتراکی نظمیں لکھی ہیں تو کہا جا سکتا ہے کہ جدید و مقبول نوعِ سخن کے اعتبار سے عارف قزوینی جیسا تصنیف ساز اور خالقی وافسر جیسا سرود نگار شاعر بھی موجود ہے۔

بلا شبہ جدید فارسی نظم جذبۂ خود اعتمادی، بالغ نظری، طنز و ظرافت اور تکلمی زبان کے اوصاف وعناصر سے مالا مال نظر آتی ہے۔ دیگر امتیازات کے ساتھ ساتھ ہیئت میں تبدیلی کے رجحانات و اقدامات کے لحاظ سے بھی جدید فارسی نظم خاص مرتبہ رکھتی ہے۔ نیمایوشیج کی نظم ''افسانہ'' سے یہاں ''شعرِ نو'' کی شروعات ہوتی ہے۔ نظم ''افسانہ'' کے علاوہ ''قو'' اور ''قصۂ رنگ پریدہ'' بھی نیما کی اہم نظمیں ہیں۔ نیما کے پیروکاروں میں میرزادہ عشقی اور خانم شمس کسائی کے علاوہ بہت سارے شعرا شامل ہیں۔ ''شعرِ نو'' کے بعد ''شعرِ موجِ نو'' کا سلسلہ شروع ہوتا ہے جس میں احمد رضا احمدی کا نام سب سے نمایاں ہے۔ ان دونوں طبقوں کے درمیان پرویز خانلری جیسے شعرا کی ''عقاب'' جیسی نظمیں بھی ملتی ہیں جو اعتدال پسند طبقے کی خدمات کا پتا دیتی ہیں۔ دیگر اعتدال پسند شعرا میں گلچیں گیلانی، نادر نادر پور، فریدون، ابتہاج اور سیمیں بہبہانی جیسے فن کاروں کے نام شامل ہیں۔

پروین اعتصامی

پروینؔ اعتصامی کا پورا نام پروین یوسف ہے۔ علم و فضل کے لیے مشہور ''خاندانِ آشتیانی'' میں ان کی ولادت ۱۳۲۴ھ /۱۹۰۶ء میں تبریز میں ہوئی۔ ان کے دادا اعتصام الملک ابراہیم، ریاست آذربائیجان کے سرکاری محاسب اور والد مشہور ادیب اور خوش نویس اعتصام الملک یوسف تبریزی، پارلیامنٹ لائبریری کے عہدۂ صدارت پر فائز تھے۔ وہ امریکن گرلس اسکول تہران کی طالبہ رہیں اور ۱۳۴۴ھ /۱۹۲۵ء میں تکمیل تعلیم کے بعد اسی ادارے میں درس و تدریس سے منسلک ہوگئیں۔ پروین اعتصامی کی شادی چچازاد بھائی سے ہوئی لیکن انھیں ازدواجی زندگی راس نہ آسکی۔ وہ شادی کے بعد صرف ڈھائی مہینے اپنی سسرال کرمان شاہ میں رہیں اور پھر میکے واپس آکر نو ماہ کے اندر ہی حقِ مہر معاف کر کے انھوں نے خلع لے لیا۔ خانم پروین کا انتقال ۱۳۶۰ھ /۱۹۴۱ء میں تہران میں ہوا، اس وقت ان کی عمر صرف ۳۵ سال تھی۔ جسدِ خاکی قم لایا گیا جہاں آبائی قبرستان ''صحنِ جدید'' میں اپنے والد کے پہلو میں سپردِ خاک کی گئیں۔

پروینؔ اعتصامی کے کلام کی اشاعت کا آغاز مجلّہ ''بہار'' سے ہوا۔ ان کا پہلا شعری مجموعہ ''دیوان'' ۱۳۴۵ھ /۱۹۲۶ء میں منظرِ عام پر آیا۔ یہ قصائد، مثنویات اور قطعات پر مشتمل ہے۔ پروینؔ فارسی کی ایسی شاعرہ ہیں جنھوں نے کبھی غزل نہیں کہی۔ انھوں نے اپنی شاعری میں ''سبک خراسانی'' کی پیروی کی۔ ممتا (اُمومت)، سماجی تنقید، پند و موعظت، غریبوں اور مزدوروں کے مسائل ان کی شاعری کے اہم موضوعات ہیں۔ تمثیلی اندازِ بیان میں انھیں مہارتِ تامہ حاصل ہے۔ سنجیدگی و متانت، سادگی و عام پسندی، ندرت و تازہ کاری اور رومانیت و واقعیت کا فن کارانہ امتزاج پروینؔ کی شاعری کے نمایاں اوصاف ہیں۔ انھوں نے ''عورت کی حیا'' کو ''عورت کی ادا'' سے جس طرح بچائے رکھا ہے اس کی مثال فارسی شاعری میں کمیاب ہے۔ ان کے یہاں چھوٹے چھوٹے موضوعات پر طبع آزمائی کر کے کسی خاص نتیجے کے حصول کی کوشش میں شاعرانہ قادرالکلامی کے مظاہرہ کے ساتھ حصولِ مقصد کو اوّلیت دی گئی ہے۔

بهای نیکی

پروین اعتصامی

بزرگی داد یک درهم گدا را — که هنگامِ دعا یاد آر ما را
یکی خندید و گفت این درهمِ خُرد — نمی اَرزید این بیع و شرا را
روانِ پاک را آلوده مپسند — حجابِ دل مکن روی و ریا را
مکن هرگز به طاعت خود نمائی — بران زین خانه نفسِ خود نُما را
بزن دزدانِ راهِ عقل را راه — مطیعِ خویش کن حرص و هَوا را
چه داری جز یکی درهم که خواهی — بهشت و نعمتِ اَرض و سما را
مشو گر رَه شناسی پَیروِ آز — که گمراهی ست راه، این پیشوا را
نشاید خواست از درویش پاداش — نباید گشت احسان و عطا را
صفایِ باغِ هستی نیک کاری ست — چه رونق باغ بی رنگ و صفا را
به نومیدی درِ شفقت کشودن — بس است امیدِ رحمت، پارسا را
تو نیکی کن به مسکین و تهی دَست — که نیکی خود سبب گردد دعا را
ازان بزمت چنین کردند روشن — که بخشی نور بزمِ بی ضیا را
ازان بازوت را دادند نیرو — که گیری دست هر بی دست و پا را
ازان معنی پزشکت کرد گردون — که بشناسی از هم دَرد و دَوا را

مشو خود بین کہ نیکی با فقیران   نخستین فرض بودست اغنیا را
ز محتاجان خبر گیر ای کہ داری   چراغِ دولت و گنجِ غنا را
بہ وقتِ بخشش و انفاق پروین
نباید داشت در دل جز خدا را

الفاظ و معانی

بہا - حسن، زیبائی، قیمت
یاد آوردن - یاد کرنا، یاد رکھنا
درہم خرد - چھوٹا سکّہ، کم قیمت کا سکّہ
ارزیدن - قیمت پانا، بیچنے اور بکنے کے لائق ہونا
بیع وشرا - خرید و فروخت
روی و ریا - ظاہرداری، دکھاوا، نمائش
خودنمائی - دکھاوا، گھمنڈ
راہ زدن - لوٹنا، ڈاکہ ڈالنا، گمراہ کرنا، (مترادف: راہ بریدن، مشہور لفظ ''رہزنی'' اسی سے بنا ہے)
رہ شناس - راستہ پہچاننے والا
پی رَو - پیچھے پیچھے چلنے والا، پیروی کرنے والا
آز - لالچ، حرص
نشاید - مناسب نہیں ہے (شائستن سے مضارع منفی)
پاداش - بدلہ، معاوضہ، عوض
احسان وعطا کشتن - نیکی اور بخشش کو برباد کرنا
نیرو - طاقت، قوت، توانائی
دست گرفتن - مدد کرنا (مشہور لفظ ''دست گیری'' اسی سے بنا ہے)
بی دست و پا - مجبور

پزشک - معالج، ڈاکٹر (پزشکت میں ت ضمیر متصل ہے)
گردون - آسمان
نخستین - پہلے پہل، پہلا
اغنیا - دولت مند لوگ (واحد: غنی، مترادف: توانگران)
خبرگرفتن - حال دریافت کرنا، مدد کرنا (مشہور لفظ "خبر گیری" اسی سے بنا ہے)
انفاق کردن - خرچ کرنا، راہ خدا میں خرچ کرنا

غور کرنے کی باتیں:

☆ نظم نگاری میں یہ قدیم طرز نمایاں تھا کہ کسی چیز کا مختلف پہلوؤں سے تذکرہ ہوتا تھا مگر عام نتیجے پر پہنچنے کی کوشش کم ہوتی تھی اور نظم کی وحدت، ردیف قافیے یا ٹیپ کے بند یا موضوع سے ظاہر ہوتی تھی۔ جدید نظم میں تسلسل کا انداز اس سے مختلف ہوتا ہے یہاں ایسا تسلسل ملتا ہے جو ادبی و علمی مقالہ میں ہوتا ہے اور ارتقا سے خالی نہیں ہوتا اور اس طرح نظم کلائمکس تک پہنچتی ہے۔ یہاں ایسا تسلسل نہیں ملتا جو غزل مسلسل میں ہوتا ہے یا پھر مختلف کڑیوں کی وحدت سے بنتا ہے۔

☆ پروین اعتصامی کی یہ نظم ایک تمثیلی قصہ سے شروع ہوتی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک آدمی کسی فقیر کو ایک معمولی سکّہ دے کر اس سے دعاؤں میں یاد رکھنے کی فرمائش کرتا ہے۔ یہ بات سن کر ایک دوسرے آدمی کو ہنسی آجاتی ہے اور وہ جو کچھ کہتا ہے اسی کے بیان سے نظم آگے بڑھتی رہتی ہے، یہاں تک کہ مقطع میں، اس مرکزی خیال کے ساتھ، اپنا کلائمکس پا لیتی ہے کہ نیکی اور خیرات کے وقت دل میں صرف خدا کی یاد ہونی چاہیے۔ گویا انفاق فی سبیل اللہ کی اہمیت و ضرورت اور اس کے آداب بتانا ہی اس نظم کا اصل پیغام ہے۔ اس طرح یہ اخلاقی نظم قرار پاتی ہے۔ اس کا مقصد ذہنی اور عملی اصلاح ہے اور اس میں تضاد و مناسباتِ لفظی کی مثالیں بھی موجود ہیں۔ نیکی کے کاموں میں تجارتی ذہن کا عمل دخل خطرناک ہے اور شاعرہ اسی ذہنیت پر بالواسطہ تنقید کرتی ہے نیز نیکی کو برباد کر دینے والے اسی خطرے سے آگاہ کرنا اور بچانا چاہتی ہے۔

معروضی سوالات :

۱- پروینؔ اعتصامی کا پورا نام بتایئے؟

۲- پروینؔ کا تعلق کس مشہور خاندان سے ہے؟

۳- پروینؔ کی ولادت کا سال کیا ہے؟

۴- پروینؔ کہاں پیدا ہوئیں؟

۵- پروینؔ نے شادی کے کتنے مہینے بعد خلع لے لیا؟

۶- پروینؔ کا انتقال کس سنہ میں ہوا؟

۷- پروینؔ جس آبائی قبرستان میں دفن ہوئیں، اس کا نام کیا ہے؟

۸- پروینؔ کا پہلا شعری مجموعہ کب شائع ہوا؟

۹- پروینؔ کا مدفن کس شہر میں ہے؟

۱۰- کالم ''الف'' اور کالم ''ب'' کی ترتیب درست کیجیے:

	الف		ب
(i)	انتقال کے وقت پروین اعتصامی کی عمر	(i)	تہران
(ii)	جائے پیدائش	(ii)	قم
(iii)	پروین کا مدفن	(iii)	تبریز
(iv)	جائے وفات	(iv)	۳۵ سال

۱۱- احسان کشی کا مطلب کیا ہے؟

۱۲- نظم کا مرکزی خیال بتایئے۔

۱۳- باغِ زندگی کی رونق کیا ہے؟

۱۴- نظم سے فعل مرکّب کی کوئی دو مثالیں لکھیے۔

۱۵- مالداروں کا پہلا فرض کیا ہے؟
۱۶- دعا کے سبب سے کیا مراد ہے؟
۱۷- ہمیں بازو کی قوت کس لیے ملی ہے؟

تفصیلی سوالات:

۱- داخلِ نصاب نظم کی مقصدیت اور اس کے فنی محاسن بیان کیجیے۔
۲- نظم کا خلاصہ لکھیں۔
۳- ان اشعار کی تشریح کریں ۔

مکن ہرگز بہ طاعت خود نمائی   بران زین خانہ نفسِ خود نما را
صفای باغِ ہستی نیک کاری ست   چہ رونق باغ بی رنگ و صفا را
تو نیکی کن بہ مسکین و تہی دست   کہ نیکی خود سبب گردد دعا را
نشاید خواست از درویش پاداش   نباید کشت احسان و عطا را
بوقتِ بخشش و انفاق پروین   نباید داشت در دل جز خدا را

۴- فارسی میں نظم نگاری پر ایک مختصر مضمون لکھیے۔
۵- داخلِ نصاب نظم سے تضاد اور مناسباتِ لفظی کی مثالیں ڈھونڈیے اور توضیح کیجیے۔

عملی کام:

۱- نظم کے مختلف اشعار کی نثر بنائیں۔
۲- نظم سے فعلِ امر اور فعلِ نہی کو جمع کریں اور ان کے معنی لکھیں۔
۳- شاعرہ نے جس موضوع پر نظم لکھی ہے، آپ اس موضوع پر اپنی زبان میں ایک چھوٹا سا مضمون لکھیں۔

فریدون توللّی

فریدون توللّی کا تعلق ایران کے صوبہ 'فارس' سے ہے۔ ان کے والد جلال شیرازی فارس کے امرا اور جاگیرداروں میں شمار ہوتے تھے۔ وہ مرزا ابراہیم قوام کی خدمت سے وابستہ تھے۔ فریدون توللّی کی والدہ ایک ذی علم شاعرہ تھیں۔ انھیں مذہبی شاعری میں خاص ملکہ حاصل تھا۔ فریدون توللّی کی ولادت ۱۲۹۸ھ / ۱۸۸۰ء میں شیراز میں ہوئی۔ انھوں نے ابتدائی تعلیم شیراز کے مشہور دبستان ''دبستانِ غازی'' اور ''دبیرستانِ سلطانی'' سے حاصل کی پھر اعلیٰ تعلیم کے لیے تہران آئے اور ''باستان شناسی'' یعنی علمِ آثارِ قدیمہ میں ۱۳۲۰ھ / ۱۹۰۲ء میں بی.اے. کی سند حاصل کی۔ اسی سال محکمہ آثارِ قدیمہ کی ملازمت سے وابستہ ہوئے۔ فریدون توللّی کی شادی آقا فربود کی صاحبزادی سے ہوئی جن کا نام مہین تھا۔ فریدون کا انتقال ۱۳۶۴ھ / ۱۹۴۴ء میں ہوا۔ وہ شیراز میں ''باغ حافظیہ'' کے شمال مغربی حصہ میں مدفون ہوئے۔

فریدون توللّی کی تصانیف میں ''التفاصیل'' اور ''کاروان'' بہت ہی مشہور ہیں۔ یہ دونوں کتابیں مقفّیٰ و مسجع شعر و نثر سے آمیختہ ہیں۔ یہ ان کی مخصوص جدت تھی، جس سے انھوں نے ادبی معرکہ آرائیوں میں خوب کام لیا اور داد و تحسین بھی حاصل کی۔ ''رہا''، ''نافہ''، ''پویہ'' اور ''شگرف'' ان کے دیگر شعری مجموعے ہیں جو غزلیات، قصائد اور قطعات پر مشتمل ہیں۔

فریدون توللّی کی شاعری میں جدید و قدیم کے درمیان توازن اور اس کا علمی اظہار پایا جاتا ہے۔ انھوں نے مغرب کی تقلید میں ہیئت و معنی میں نئی راہیں نکالی ہیں۔ ساتھ ہی پرانی روش کے محاسن کو بھی قبول کیا ہے۔ انھوں نے مناظرِ فطرت، باستان شناسی کے مضامین، عصری تحولاتِ ادب و سیاست اور آزادی خواہی جیسے موضوعات کو اپنی شاعری میں خوبصورت انداز میں پیش کیے ہیں۔ وہ دنیا کو ''موجِ درد'' اور خود کو ''اوجِ درد'' تصور کرتے ہیں۔ ان کی شاعری شیریں و رواں زبان میں اعلیٰ عصری مقاصد و مطالب کے اظہار کا بہترین نمونہ ہے۔

اوجِ درد

فریدون تولّلی

فراخای هستی درین سال عمر
خدا را چه بر دیده تنگ آیدم

به هردم بلای عجب نُو به نُو
ازین چرخ فیروزه رنگ آیدم

به گرگ آشتی ها چه بندم امید
چون بر سینه زخمِ پلنگ آیدم

فرا پیش گورم، کنون گو که بخت
عروسانه با ساز و چنگ آیدم

چون آزاده ام، رنج چندین سکوت
بگردن یکی پالهنگ آیدم

نخواهم دگر مهر گردونِ دُون
بچشم ارچه شوخ و شنگ آیدم

زمین تا یکی هست و مردم یکی
چرا نفرت از روم و زنگ آیدم

چرا زیر این آسیا سنگ دهر
بدل قهر چین و فرنگ آیدم

جهان موج دردست و من اوج درد
مقامی نه تا کس به جنگ آیدم

چون آن کاخ آئینه کردم به شعر
سزد، بر سر از کینه سنگ آیدم

نه آنم که لافم بدین کام و نام
که از کار بیهوده ننگ آیدم

چون مستم ز افسون آن چشم مست
چه حاجت به افیون و بنگ آیدم

ستیزی نورزم بکس گر هزار
هما ورد روئینه چنگ آیدم

و یا تا به موری و هم دانه ای
به سر تیغ تیمور لنگ آیدم

ولی تا تو بنی به من نقش خویش　　نخواهم بر آئینه زنگ آیدم
کنون کاندرین موج ہستی مدام　　ہراسِ نفیرِ نہنگ آیدم
کنون گر گزرگاہ پیری بگوش　　خروش درنگا درنگ آیدم
کنون گرچہ با کوچ این کاروان　　ز ہر گوشہ تیری خدنگ آیدم
ہمان غم گسارم بہ اندوہ خلق　　کہ نو شاب شادی شرنگ آیدم

شتاب ای فریدونؔ بہ مردن رواست
گرآن مرگِ خوش بی درنگ آیدم

الفاظ ومعانی

فراخا　–　کشادگی، وسعت، فراخی
فراخای ہستی　–　زندگی کی وسعت
سال عمر　–　زندگی کا دور، زمانہ حیات، زندگی کے ماہ وسال
فیروزہ رنگ　–　نیلگوں (مترادف: نیلی فام)
چرخ فیروزہ رنگ　–　نیلا آسمان
آشتی　–　دوستی، سمجھوتہ، صلح
امید بستن　–　امید لگانا، آس لگانا
پلنگ　–　چیتا، تیندوا
فرا　–　آگے، نزدیک، پہلے، سامنے
فراپیش　–　بالکل سامنے، بہت ہی نزدیک
عروسانہ　–　دلہن کے انداز میں، (مراد ہے: سج دھج کر)
چنگ　–　ستار، ستار کی قسم کا ایک باجا، پنجہ، چنگل

ساز وچنگ	-	مراد ہے: رقص اور موسیقی کے آلات، ناچنے اور گانے بجانے کے سامان
پالہنگ	-	باگ ڈور، شکار بند، لگام کی رسّی
گردن بہ پالہنگ آمدن	-	شکار بند ہو جانا، قید ہو جانا، لگام پڑ جانا
دون	-	کمینہ، خسیس، پست وذلیل
گردون دون	-	مراد ہے: دشمن آسمان، دشمن اور بے وفا زمانہ
ار	-	اگر
بت شوخ وشنگ	-	مراد ہے: تیز وطرار اور شوخ وعیار محبوب
بچشم آمدن	-	سامنے آنا، دکھائی دینا، جلوہ نما ہونا
روم	-	اٹلی وقسطنطنیہ کی حکومت (مراد ہے: رومی وترکی)
زنگ	-	دَھبا، حبش: (مراد ہے حبش کے باشندے)
زنگ وروم	-	(اشارہ ہے رنگ ونسل کی بنیاد پر کالے اور گورے کی تفریق کی طرف)
آسیا	-	چکی
آسیا سنگ	-	(اضافت مقلوبی ہے) چکی کا پتھر، چکی کا پاٹ (مراد ہے: بھاری پتھر)
آسیا سنگ دہر	-	زمانے کا بھاری پتھر (مراد ہے: ظالم زمانہ، چکی کے دو پاٹ کے بیچ پیس دینے والا زمانہ)
قہر	-	عذاب
فرنگ	-	یورپ، نصاریٰ کا ملک (مراد ہے: مغربی دنیا اور مغربی تہذیب اور سفید فام لوگ)
دل آمدن	-	دل آنا، محبت ہونا
کاخ	-	محل (مترادف: قصر)
آئینہ کردن	-	روشن کرنا، سجانا، آئینہ بندی کرنا
سزد	-	لائق ومناسب ہے، (مراد ہے: خلاف توقع نہیں، سزد: مصدر سزیدن سے مضارع بمعنی لائق ہونا)
سنگ بر سر آمدن	-	پتھر برسنا
لاف	-	ڈینگ، شیخی (لاف زدن: ڈینگ ہانکنا)
کام	-	مقصد، (مراد ہے: کامیابی)

نام - شہرت
ننگ آمدن - شرم آنا (مترادف: خجل شدن، خجالت آمدن)
افیون - افیم
بنگ - بھنگ
ستیزیدن - لڑائی کرنا
برآئینہ زنگ آمدن - آئینہ میلا ہونا
ہراس - خوف ـــ کاندریں: ''کہ اندر این'' کا مخفف ہے
نفیر - بگل، باجہ، چیخ پکار، نفرت، فریاد
نہنگ - مگرمچھ، گھڑیال
نفیرنہنگ - گھڑیال کی آواز
گزرگاہ پیری - بڑھاپے کا سفر (مراد ہے زندگی کا آخری دور)
بگوش آمدن - سنائی دینا
خروش - شوروغل، چیخ وپکار
درنگ - دیر، وقفہ
خروش درنگا درنگ - وقفہ، وقفہ سے ہونے والا شوروغل
خدنگ - تیر، چھوٹا تیر، نیزہ
تیرخدنگ - لکڑی کا بنا ہوا تیر
نوشاب - آبِ حیات، آبِ شیریں
شرنگ - زہر، اندرائن کا پھل
شتاب - جلد، بلاتوقف
بی درنگ - بلاتوقف، جھٹ پٹ، بلاتاخیر

غور کرنے کی باتیں:

☆ فن کار معاشرے کا بہت ہی حساس فرد ہوتا ہے۔ زمانے کا مشاہدہ و تجربہ اور اس کی روش کا احساس اُسے اپنی بات کہنے پر مجبور کر دیتا ہے۔ اس نظم میں شاعر نے عصری حسّیت کو موضوع بنایا ہے۔ نظم کا مرکزی خیال، عالمی اخوت و محبت اور اتحاد و بھائی چارگی ہے۔ نظم میں ایسے اشعار بھی ہیں جو ''شکوۂ دوراں'' کے ذیل میں آتے ہیں اور ایسے اشعار بھی ہیں جن میں جلوۂ محبوب کی اہمیت و محبت میں سرشاری کا عکس دکھایا گیا ہے۔ شاعر عہد پیری سے گزر رہا ہے اور دنیا سے نفرتوں کو مٹا دینے کے جذبات سے سرشار ہے۔ یہاں ''موجِ درد'' اگر نفرتوں کی بہتات کا اشارہ ہے تو ''اوجِ درد'' نفرتوں سے اوپر اُٹھ کر بامقصد کام کرنے اور محبت پھیلانے کا اشارہ۔

☆ فریدون توللی، عہد جدید کا شاعر ہے۔ اس عہد کی فکری و لسانی خصوصیات میں سماجی و سیاسی مسائل اور موضوعاتِ امروزہ کی طرف توجہ شامل ہیں۔ یہ تمام پہلو اس نظم سے عیاں ہیں۔

☆ دورِ جدید کی شاعری میں ادبی صنعتوں کی طرف کم سے کم توجہ دی جاتی ہے مگر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ شعری تخلیقات، صناعات کی مثالوں سے خالی نہیں مثلاً فریدون کی اس نظم میں بھی تلمیح اور تعلیق موجود ہے اور متعدد شعر ایسے سادہ ہیں کہ ان کی نثر نہیں بن سکتی۔

معروضی سوالات:

۱- فریدون توللی ایران کے کس صوبے سے تعلق رکھتے تھے؟

۲- فریدون کی ولادت کب ہوئی؟

۳- فریدون کس مشہور شہر میں پیدا ہوئے؟

۴- ''دبستانِ نمازی'' کیا ہے؟

۵- فریدون کا انتقال کب ہوا؟

۶- فریدون کہاں دفن ہوئے؟
۷- باغِ حافظیہ کہاں ہے؟
۸- فریدون کے دو شعری مجموعوں کے نام لکھیے؟
۹- فریدون کی کتاب ''شگرف'' شعری ہے یا نثری؟
۱۰- فریدون کی ایک مشہور کتاب مقفع و مسجع نثر میں ہے، نام بتائیے؟
۱۱- ''آیدم'' کون سا صیغہ ہے؟
۱۲- شاعر نے دنیا کو کیا کہا ہے؟
۱۳- شاعر دنیا کے مقابلے میں خود کو کیا کہتا ہے؟
۱۴- نظم کا عنوان کس مصرع سے لیا گیا ہے؟
۱۵- نظم میں جس بادشاہ کا ذکر آیا ہے، اس کا نام کیا ہے؟

تفصیلی سوالات:

۱- ان اشعار کی تشریح کریں:

زمین تا یکی ہست و مردم یکی چرا نفرت از روم و زنگ آیدم

جہان موجِ دردست و من اوجِ درد مقامی نہ تا کس بہ جنگ آیدم

نہ آنم کہ لافم بدین کام و نام کہ از کارِ بیہودہ ننگ آیدم

چون مستم ز افسون آن چشمِ مست چہ حاجت بہ افیون و بنگ آیدم

ولی تا تو بینی بہ من نقشِ خویش نخواہم بر آئینہ زنگ آیدم

۲- اس نظم کا خلاصہ لکھیں۔

۳- ''موجِ درد'' اور ''اوجِ درد'' کا مفہوم واضح کریں۔

۴- تعلیق و تلمیح اور حسنِ تراکیب کی مثالیں تلاش کیجیے اور وضاحت کیجیے۔

۵- نظم ''اوجِ درد'' کی خوبیوں پر روشنی ڈالیے۔

۶- فریدون تولّلی کے حالات زندگی اور شاعری پر مختصر مضمون لکھیے۔

عملی کام:

۱- قافیہ میں آنے والے الفاظ یکجا کیجیے اور معنی لکھیے۔

۲- نظم کا کوئی پسندیدہ شعر یاد کیجیے۔

۳- نظم میں آنے والے محاوروں کو جمع کریں اور ان کے معنی یاد کریں۔